قرونِ اولیٰ میں مناہج اصول فقہ اور اس کا نشوو ارتقاء

تاج محمد *

Abstract

It is a matter of fact that development of principles and the legal maxims of Islamic jurisprudence is a gradual process; it took more than a century. These principles and maxims are extracted from the Holy Quran, Hadith and the judgments or sayings of companions of Holy Prophet. This article presented the various examples of principles which were produced by companions of the Holy Prophet (peace be upon him), so that people know the origin of this filed of knowledge.

KEYWORDS: *legal maxims, Jurisprudence, Islamic Law.*

قرآن مجید آخری صحیفۂ ہدایت اور انسانیت کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے بنیادی اصول و قواعد اس میں بیان فرمادیے گئے ہیں۔ کہیں صراحت سے معاملے کی وضاحت فرمادی اور کہیں اشارۃً اصول بیان فرمادیے اور قرآنی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے عمل کو امت کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ابدی ضابطہ حیات کے ایک ایک حکم پر عمل کرکے دکھایا تاکہ قرآن کے مفہوم و مطالب کو سمجھتے اور اس پر عمل کرنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔ یہ ذمے داری اللہ ذوالجلال نے عطا فرمائی۔

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ [1] ان اصولوں اور ضابطوں کی تفصیلی وضاحت' نکات کی تشریحات اور اجمال کے بیان کے لیے گویا قرآن نقشہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی اس نقشے کے مطابق عملی عمارت ہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم میں جگہ جگہ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ [2] کا حکم دیتے دیتے ایک جگہ یہ فرمادیا کہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [3] یعنی صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی کافی ہے کیونکہ وہ اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی عمل اطاعت الٰہی سے خالی نہیں اور آپؐ کا ہر

* ڈاکٹر تاج محمد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی، کراچی۔

عمل وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی [۴] کا مصداق ہے۔ شریعت کیا ہے اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکامات اور طریقوں پر عمل کرنا۔

قرآن و سنت میں قیامت تک آنے والے انسانوں کے بعض معاملات کی وضاحت اور بعض معاملات کے لیے رہنما اصول قائم کر دیے ہیں تاکہ ہر زمانے میں آنے والے مسائل ان اصولوں اور مبادیات کی روشنی میں شریعت کے دائرے میں رہ کر حل کئے جائیں۔ صحابہ کرام، جو اللہ اور اس کے رسول کے سچے شیدائی اور فاستبقو الخیرات کے جذبے سے سرشار تھے، قرآن کے نزول واسباب سے واقف' کلام اللہ کے معانی واسرار و رموز سے آگاہ۔ زبان وادب کے ماہر' ان کے لیے قرآن سمجھنا کوئی دشوار نہ تھا۔ باوجود اس کے قرآن میں غور و فکر و تدبر اور عمیق مطالعہ جاری رہا اور مسلسل ذہن کھلتے گئے اور اس بحر بے کنار کی تہہ سے قیمتی علمی موتیوں کے خزانے تلاش کرتے رہے۔

ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا گہری نظر سے مطالعہ بھی جاری رہا۔ رسول اللہ ﷺ کی ہر ادا کو بغور دیکھتے اور اس پر عمل کرتے رہے۔

یہ اندازہ کرنے میں انھیں دشواری نہیں تھی کہ رسول اللہ ﷺ کس عمل کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں کس پر مواظبت اختیار کرتے ہیں اور کس عمل پر مواظبت اختیار نہیں کرتے۔ احادیث بیان کرنے والوں کے لیے کسی جرح و تعدیل کی بھی ضرورت نہ تھی وہ ایک دوسرے کے کردار وافکار سے واقف تھے۔

فرض، واجب، مستحب، مباح یہ اصطلاحیں بعد کی پیداوار ہیں۔ فقہاء نے دلیل کی قوت وضعف کی بنا پر یہ اصطلاحیں ایجاد کیں۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ اصطلاحیں نہیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی تشریحی حیثیت کی مالک تھی۔ آپ کا فرمان قانون کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے ارشاد فرمایا کہ: وَ مَآ اٰتٰـکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰـکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [۵]

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَـکُمْ تَسُؤْکُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَـکُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ (المائدہ:۱۰۱)

اسی لیے کثرت سوال سے منع فرمایا۔ [۶]

مشہور روایت ہے کہ حج کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔" ایک شخص نے سوال کیا کہ ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش رہے اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا' پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور اگر ایسا ہوتا تو ہر سال حج کرنا تمھارے لیے ممکن نہ ہوتا۔" [۷]

عرب معاشرہ سادہ تھا تہذیت و تمدن کی وہ چہل پہل جو فارس اور روم میں تھی اس سے عرب ناآشنا تھے۔ سادہ زندگی کی جو بھی ضروریات و مسائل تھے ان کے لیے وحی کے ذریعہ ہدایات دی جاتی رہیں۔ ہدایت کا مرکز رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی جو معاملہ درپیش ہوتا صحابہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مسئلے کا حل دریافت کرتے۔ اس پر

وحی نازل ہوتی یا پھر خود رسول اللہ ﷺ اس معاملے میں حل بیان فرماتے۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے وہ جانتا ہے کہ کس زمانے میں کیا ضرورت پیش آئے گی اس لیے ایسے اصول وضوابط بھی بیان فرمادیے جو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

انھیں اصولوں کی روشنی میں صحابہ نے اصولِ فقہ کی بنیاد رکھی اور رہتی دنیا کے لیے ایسی مثالیں قائم کیں جن پر بعد والوں نے مزید غور وفکر کرکے ایک ایسے علم کی بنیاد رکھی جس کی نظیر دنیائے قانون میں کہیں نہیں ملتی۔

ڈاکٹر حمید اللہ اسلامی قانون کے متعلق لکھتے ہیں:

"اسلامی قانون رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بعد سے شروع ہوتا ہے جس کی ابتدا میں کچھ پرانے رسم ورواج جو کہ مکہ میں تھے، وہ شامل رہے اور رفتہ رفتہ اس کی ترمیم واصلاح قرآن وحدیث کے ذریعے ہوتی رہی۔ اس میں بعض اور چیزوں کو بھی گوارا کیا جاتا رہا۔ جیسے معاہدات' سابقہ امتوں کی شریعتیں جو اسلام نے برقرار رکھیں اور اسی طرح کی بعض اور چیزیں۔ جب ﷺ کی وفات ہوگئی اور قانون کا سرچشمہ بند ہوگیا یعنی وحی کے ذریعے سے قانون کو بنانے اور بدلنے کی جو صلاحیت ہم میں پائی جاتی تھی وہ ختم ہوگئی تو ہم مجبور ہوگئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت جو چیزیں ہم میں چھوڑی ہیں انہی پر اکتفا کریں۔ عام حالتوں میں ہمارے لیے یہ بات مشکلات کا باعث بن جاتی' اگر اس قانون کی ترقی کی صورت خود قانون ساز نے یعنی خدا اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نہ بتائی ہوتی۔"(۸)

ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

"دنیا کے ہر مذہب کو ایک پیچیدہ اور مشکل صورتِ حال پیش آئی' جس سے عہدہ برآ ہونے میں اکثر مذاہب ناکام رہے ہیں۔ وہ مشکل یہ ہے کہ مذہبی معاملات میں عقل کے کردار کو کس حد تک اور کیسے تسلیم کیا جائے اور دنیاوی معاملات میں مذہب واخلاق کے کردار کو کس حد تک جگہ دی جائے۔ بعض مذاہب اور اقوام نے اس کا حل یہ نکالا کہ خالص روحانی اور اخروی معاملات مذہب کے سپرد کیے جائیں اور دنیاوی معاملات عقل کو سونپ دیے جائیں۔ اس کو کامیابی کے ساتھ اور انتہائی توازن اور باریک بینی کے ساتھ جس نظام نے حل کیا ہے وہ شریعت کا نظام ہے جس میں بیک وقت عقل کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شریعت کے دیے ہوئے اصول یعنی وحی الٰہی کی رہنمائی' مکمل طور پر کار فرما رہتی ہے۔ اس امتزاج اور توازن کا اگر کوئی سب سے نمایاں اور منفرد نمونہ ہے تو وہ علم اصولِ فقہ ہے۔"(۹)

خلفائے راشدین کے زمانے میں کبھی کبھی اجتماعی غور وفکر بھی ہوتا تھا۔ لوگ آپس میں بحث کرتے کہ اس بارے میں کیا کرنا چاہیے۔ ایک صاحب اگر ایک چیز بیان کرتے تو دوسرے صاحب اس پر اعتراض کرتے' نہیں صاحب! یہ نہیں ہوسکتا۔ اس میں فلاں خامی ہے' یوں کرنا چاہیے۔ اور اس آپس کے بحث مباحثے سے لوگ کسی نتیجے پر پہنچ جاتے۔

اس زمانے میں خاص کر یہ چیز مفید ثابت ہوئی۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمودہ احکام واقوال ابھی تک جمع نہیں ہوئے تھے۔ بخاری، مسلم اور صحاح ستہ کی کتابیں ابھی لکھی نہیں گئی تھیں۔ بلکہ لوگوں کے علم اور حافظے میں تھیں جب آپس میں مشورہ کرتے تو اس وقت بعض بھولی بسری باتیں یاد آجاتیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن یوں فرمایا تھا۔ اس طرح اسلامی قانون کے متعلق جو معلومات حدیث میں تھیں ان کو جمع کر کے قانونی احکام استنباط کرنے کا آغاز ہو گیا۔

جو بھی احکام آنحضرت ﷺ نے صادر فرمائے، مسلمانوں کے لیے مسلمہ طور پر ایسی تشریعی اور قانونی حیثیت رکھتے ہیں جن کی اتباع امت پر واجب ہے۔ خواہ یہ وحی خفی ہوں یا اجتہاد، جب آنحضرت ﷺ کے عہد ہی میں فتوحات کو وسعت ملی تو کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین قاضی کے عہدے پر متمکن ہوئے اور اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے دوران انھوں نے اپنے اپنے اجتہادات کی روشنی میں فیصلے صادر فرمائے۔ اس عمل کی اجازت انھیں بارگاہ رسالت ہی سے مرحمت ہوئی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ ﷺ نے جب یمن کا حاکم بنا کر روانہ کیا تو ارشاد فرمایا تھا:

ان اللہ سیھدی قلبک یثبت لسانک فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانہ احری ان یتبین لک القضاء (۱۰)

”یقیناً اللہ تعالیٰ جلد تمھارے دل میں (اس منصب کے حوالے سے) آثار رہبری پیدا فرمادے گا اور تمھارے فیصلے میں قوت پیدا فرمادے گا، یہ بات ملحوظ رکھنا کہ جب بھی دو جھگڑنے والے تمہارے روبرو پیش ہوں تو اس وقت تک (تنازع کا) فیصلہ نہ کرنا جب تک کہ تم فریق ثانی کی بات بھی اسی طرح توجہ سے نہ سن لو جس طرح فریق اول کی بات سنی تھی، یہی بات تمھارے لیے صحیح فیصلے کے لیے آثار ظاہر کر دے گی۔“

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان اسباب وعوامل کو جو کسی فیصلے کے وقت انسانی فہم وبصیرت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، شریعت اسلامی میں اگر ایک طرف بے پناہ اہمیت حاصل ہے تو دوسری طرف اس امر میں بھی کسی کو سر مو مجال انکار نہیں ہو سکتی کہ درست اور نادرست کے مابین فرق کے لیے بہر حال انسانی عقل وخرد پر انحصار کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آنحضرت ﷺ نے یمن کا قاضی مقرر فرما کر بھیجنا چاہا تو ان سے پوچھا:

کیف تقضی اذا عرض لک القضاء؟ قال اقضی بکتاب اللہ، قال فان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال فبسنۃ رسول اللہ ﷺ، قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ ﷺ ولا فی کتاب اللہ؟ قال اجتھد برائی ولا الو فضرب رسول اللہ صلی علیہ وسلم صدرہ فقال الحمد للہ الذی وفق رسول اللہ ﷺ لما یرضی رسول اللہ (۱۱)

”تمھیں اگر (دو فریقوں کے مابین) فیصلہ کرنا ہو تو کیسے کرو گے؟ جواب دیا کہ کتاب اللہ سے، پھر سوال کیا کہ اگر اس میں نہ پاؤ تو، عرض کیا سنت رسول اللہ ﷺ سے، فرمایا: اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو عرض کیا کہ اپنے اجتہاد سے۔ اور کوئی دقیقہ نہیں چھوڑوں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے دل پر دستِ مبارک

رکھا اور دعا دی اللہ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو جس چیز کی توفیق دی اس سے تیرا رسول خوش ہے۔"

اس سے بڑھ کر اور کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔ یہ چیز اسلامی قانون کو زندگی دینے والی، برقرار رکھنے والی اور ہر ضرورت میں کام آنے والی اس وجہ سے ایک غیر جانبدار شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ اسلامی قانون چودہ سو سال سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے اور اس میں آئندہ بھی چلنے کی قوت باقی ہے۔ (۱۲)

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں اجتہاد کی اجازت نے اسلامی قانون کو وسیع اور لچک دار بنادیا۔ اگر صرف قرآن وحدیث کے ظاہری احکامات تک ہی قانون سازی کی اجازت ہوتی تو یقیناً بڑے بڑے علماء اور ماہرینِ قانون اس موقعے پر بے بس نظر آتے جہاں انھیں قرآن وحدیث میں مسئلے کا حل واضح نہ ملتا، اس طرح اسلامی قانون جمود کا شکار ہو جاتا۔

تشریع اسلامی کے بنیادی مآخذ قرآن وسنت ہیں اور یہ دونوں عربی لغت میں ہیں۔ صحابہ کرام اور تابعین کی زبان بھی عربی تھی، اس لیے انھیں کسی مسئلے کو سمجھنے میں ذرا بھی دقت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزارنے کے باعث مسائل کا کوئی گوشہ ان کی نظر سے اوجھل اور پوشیدہ نہیں تھا، قرآنِ کریم کی ہر آیت کے سببِ نزول اور مقام ووقت نزول تک سے واقف تھے۔ اس کے علاوہ انھیں سند حدیث پر بھی غور وفکر کی چنداں ضرورت نہ تھی اس لیے کہ راویانِ حدیث یا تو ان کے ہمعصر تھے یا قریب العصر، وہ ان کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ عباس متولی فتاویٰ صحابہ سے متعلق لکھتے ہیں:

"علماء نے فتاویٰ صحابہ کے متعلق کہا ہے کہ ان کے فتاویٰ صرف مسائل واقعیہ تک محدود تھے ان میں اقامت دلیل وبرہان طرز کی کوئی علمی ملمع سازی نہیں ہوتی تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہی تھی یعنی کہ انھیں زبان پر ملکہ حاصل تھا اور انھی میں بعضے تو وہ تھے جنھوں نے نزول قرآن کا زمانہ بھی پایا اور اس کے اسلوب بیان کو صاحب وحی کی سیرت وتعلیمات کی روشنی میں سیکھا اور سمجھا۔ اس طرح وہ وہبی ذہانت کے ساتھ ساتھ صحبت رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے سلامت فکر اور طہارت باطنی کے بھی حامل تھے اور اسرار شریعت کے محرم بھی۔ اس لیے قرآن وسنت سے استفادۂ معانی اور استخراج احکام میں انھیں لغت یا کسی نئے بتائے ہوئے اصول یا قاعدے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔" (۱۳)

محمد یوسف موسیٰ نے اصولِ فقہ کے ارتقاء پر حسبِ ذیل الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

لم یکن الصحابة والتابعون مهتمون بالعناوین والمصطلحات التی ظهرت بعدهم مثال الرأی والقیاس والاستحسان ولکنهم فی آرائهم وفتاویهم واقضیتهم کانوا یفزعون بلاریب الی الاجتهاد الذی اذن فیه الرسول ﷺ وذالک عندما لا یجدون فی الحادثة نصا من کتاب الله او سنة رسول الله (۱۴)

صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں نہ تو کسی عنوان کا اہتمام کیا جاتا تھا اور نہ ہی ایسی فنی اصطلاحات وضع کی گئی

تھیں جو کہ بعد میں منظرِ عام پر آئیں۔ مثلاً رائے، قیاس اور استحسان وغیرہ۔ اس کے بجائے ہر ایسے معاملے میں کہ جس میں کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی نص دستیاب نہ ہوتی تو بغیر کسی تردد کے وہ اپنی آراء، فتاویٰ اور فیصلوں کے معاملے میں اجتہاد کی طرف رجوع فرماتے تھے جس کی اجازت انہیں بارگاہ نبوی ہی سے مرحمت ہوئی تھی۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ صحابہ کرام کو استخراج احکام میں گو کہ لغوی اور علمی قواعد کی ضرورت نہ تھی تاہم ان کے طریقہ کار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ بھی استنباط احکام میں کچھ اصول ضرور سامنے رکھتے تھے اگرچہ یہ اصول و قواعد لفظی جامہ میں منظرِ عام پر نہیں آئے تھے بلکہ ان کے ملکۂ فطری اور سلامت فکر کا نتیجہ ہوتے تھے۔

شیخ محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں:

فان الفقهاء من بينهم كابن مسعود' وعلى ابى طالب وعمر بن الخطاب' ما كانو ايقولون اقوالهم من غير قيد ولا ضابطه' فاذا سمع السامع على بن ابى طالب يقول فى عقوبة الشارب' انه اذا شرب هذى' واذا هذى قذف' فيجب حد القذف يجد ذالک الامام الجليل ينهج منهاج الحكم بالمآل (۱۵)

فقہاء صحابہ میں سے مثلاً حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم کے اقوال حدود و قیود سے بھی خالی نہ ہوتے تھے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شارب خمر پر حد قذف جاری کرنے کا فتویٰ دیا۔ اس میں ان کا طرزِ استدلال یہ تھا کہ جب شراب پیے گا یاوہ گوئی کرے گا اور جب یاوہ گوئی کرے گا، تو زنا کی تہمت لگائے گا، جب تہمت لگائے گا تو حد قذف لازم ہو جائے گی۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوا کہ ایک جلیل القدر امام نے استنباط احکام کے معاملے میں اعتبار مآل کا منہاج طے فرما دیا۔

اس گفتگو سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ فقہی احکام کے اخذ واستنباط کی ابتدا عہدِ رسالت مآب ﷺ ہی میں ہوگئی تھی اور بعد میں ادوار عہد صحابہ و تابعین تو ایسی امثلہ اور نظائر سے مملو ہیں کہ فقہ اور اصول فقہ کی ترقی و فروغ کا یہ شجر تو روز افزوں نمو پذیر رہا۔ تا آنکہ ایک گھنے سایہ دار تناور درخت کی صورت اختیار کر لیا گیا۔

اصول فقہ کی تدوین اور اس کا ارتقائی عمل تمام تر تدریجی ہے یہ کسی ایک شخص کی کاوشوں کا نتیجہ نہیں اور نہ ہی یکبارگی اس کے جملہ قواعد واصول وضع کیے گئے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے پیچھے ایک صدی سے زائد کا عرصہ اکابرین امت کی محنت شاقہ جہد مسلسل اور سعی پیہم کار فرما ہے۔ سالہا سال قرآن و حدیث میں غور و فکر کے نتیجے میں اور آثار صحابہ کی روشنی میں فقہائے کرام نے جو اجتہادات کیے ہیں انھی کی بنیاد پر اصول فقہ کی تدوین ہوئی ہے۔ بعد میں آنے والوں نے اسے مزید وسعت و ترقی دے کر اس علم کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں اسے دیگر علوم کے مقابلے میں ایک نمایاں مقام اور ممتاز حیثیت حاصل ہوگئی اور باقاعدہ ایک مستقبل فن کی حیثیت اختیار کر گیا جو قانون سازی میں ریڑھ کی ہڈی حیثیت رکھتا ہے۔

صدر اول میں چونکہ اصول فقہ کی بنیاد پڑ چکی تھی اور اس کے بہت سے اہم قواعد خود اکابر صحابہ رضوان اللہ

علیہم اجمعین نے وضع فرمادیے تھے، جن میں اسلامی قانون سازی کا منہاج اور اس کے بنیادی اصول طے ہوئے اور عمومی رہنمائی مہیا فرمادی گئی۔ قارئین کی دلچسپی کیلیے چند نظائر پیش کئے جاتے ہیں جو اصول فقہ کے قواعد کے حوالے سے خود صحابہ کرام کی زبانوں سے صادر ہوئے۔

ا۔ ہجرت کے بعد شراب نوشی حرام قرار دی گئی تھی۔ شراب پر پابندی کا حکم تو نازل ہو چکا تھا لیکن اس حکم کی خلاف ورزی یعنی شراب نوشی کی صورت میں کوئی معینہ سزا طے یا تجویز نہیں کی گئی تھی۔ شرابی کے لیے سزا کا اعلان کرنے کے بعد لاتوں اور مکوں سے حاضرین چند ضربیں لگادیتے تھے۔(۱۶) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے چالیس کوڑوں کی سزا مقرر فرمائی، حضرت عمر فاروقؓ کے ابتدائی دور تک اسی پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ جب فتوحات میں وسعت ہوئی، جداگانہ تہذیب وثقافت اور مذاہب کے لوگ مسلمان ہوئے تو شراب نوشی کی شکایت عام ہوگئی۔ عادی مجرم آئے دن پکڑے جاتے، سزا اتنی کم تھی کہ باز آنے کے بجائے ان کے عادی مجرم بننے کے امکانات بڑھ گئے۔ اس لیے حضرت عمر فاروقؓ نے اکابر صحابہ کے سامنے اس صورتحال کو رکھا اور سزا میں اضافے کی ناگزیریت کا عندیہ دیا تاکہ روز بروز بگڑتی ہوئی صورتحال پر قابو پایا جاسکے۔ اکابر صحابہ کے درمیان مشاورت ہوتی رہی۔ بالآخر حضرت علی کرم اللہ نے فرمایا:

انه اذا شرب هذى، واذا هدى افترى فيجب ان يحذ القاذف۔(۱۷)

"یعنی جب وہ شراب پیے گا تو لازماً یاوہ گوئی کرے (ہزیان بکے) گا اور جب یاوہ گوئی کرے گا تو افترا پردازی بھی کرے گا۔ لہٰذا اس کو وہ سزا دی جائے جو قاذف (کسی بے گناہ عورت پر بدکاری کی تہمت لگانے والے) کو دی جاتی ہے۔"

تمام صحابہ نے اس رائے کو بالاتفاق پسند کیا اور حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس استدلال کو تمام اکابرین کی رائے سے قبول فرمالیا اور شراب نوشی کی سزا ۸۰ کوڑے مقرر فرمادی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس استدلال سے دو قواعد کلیہ کی بنیاد قائم ہوئی: ایک "حکم بالمال" اور دوسرا "سد الذرائع" جو بعد میں اصول فقہ کے دو اہم اور واضح اصولوں کی شکل اختیار کر گئے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ کسی فقہی مسئلے کا فیصلہ کرتے وقت صرف اس کی ظاہری صورت ہی کو نہ دیکھا جائے کہ یہ جائز ہے یا کہ نہیں بلکہ اس کے نتائج کو بھی سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ برائی کو روکنے کے لیے ایسے اقدامات کیے جائیں جس سے اس کے دروازے مسدود ہو جائیں اور ایسا ماحول ہی باقی نہ رہے جس میں برائی کے پنپنے کی گنجائش موجود ہو۔

۲۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں عراق فتح ہوا تو سوادی زمینوں کے متعلق صحابہ کرام کے درمیان شدید اختلاف واقع ہوگیا کہ ان زمینوں کا کیا کیا جائے۔ ان زمینوں کے مستقل انتظام اور بندوبست کے بارے میں دو طرح کے نقطہ نظر سامنے آئے، ایک رائے یہ تھی کہ اس زمین کو فاتحین میں تقسیم کیا جائے جیسے کہ آنحضرت ﷺ کے دور اقدس میں مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ دوسری رائے یہ تھی کہ ان زمینوں کو سابقہ مالکان

کے پاس رہنے دیا جائے اور ان کی حیثیت صرف مزارع کی ہو زمینوں کا حق ملکیت اسلامی ریاست کے پاس ہو۔ ان سے جزیہ لیا جائے اس سے خزانہ میں مستقل آمدنی کے ذرائع پیدا ہو جائیں گے۔ اس رائے کے حامیوں میں حضرت عمر فاروقؓ بھی شامل تھے۔ دونوں فریق اپنے اپنے نقطہ نظر کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دلائل دیتے رہے۔ ایک ماہ تک یہ مباحثہ چلتا رہا۔ بالآخر حضرت عمر فاروقؓ نے جو فیصلہ دیا وہ یہ ہے:

قدرا ءیت ان احبس الارضین بعلوجها واضع علی اهلها الخراج، وفی رقابهم الجزیه یوء دونها، فتکون فینا للمسلمین المقاتلة والزریة ولمن یاتی بعدهم اراءیتم هذه المدن العظام، الشام والجزیرة والکوفة ومصر، لابدلها من ان تشحن بالجیوش وادرار العطاء علیهم، فمن ائین یعطی هولاء اذا قسمت الارضون والعلوج۔[۱۸]

"میری رائے یہ ہے کہ میں ان زمینوں کو ان کے کارندوں سمیت روک رکھوں۔ ان پر کام کرنے والوں پر خراج اور ان کی اپنی ذات پر جزیہ عائد کردوں جسے یہ ادا کرتے رہا کریں۔ اس طرح یہ زمینیں مسلمان مجاہدین، ان کی اولاد اور بعد والوں کے لیے آمدنی کا مستقل ذریعہ بن جائیں گی۔ آخر آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ یہ بڑے بڑے علاقے شام، عراق، کوفہ اور مصر موجود ہیں جہاں زیادہ تعداد میں فوجیں رکھنی پڑتی ہیں اور انھیں تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں۔ اگر یہ زمینیں کارندوں سمیت تقسیم کر دی گئیں تو پھر ان لوگوں کی تنخواہیں کہاں سے دی جائیں گی۔"

اس فیصلے میں حضرت عمر فاروقؓ نے ملکی مفاد اور مصلحت عامہ کو ملحوظ رکھا۔ اسی فیصلے کی بنیاد پر بعد میں اصول فقہ کا ایک اہم اصول قائم ہوا، جسے "مصالح" کا نام دیا گیا اور فقہی مسائل کے استنباط کی اساس قرار پایا۔

۳۔ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں غلاموں اور باندیوں کی خرید و فروخت عام تھی، فتوحات میں جب وسعت ہوئی تو غلاموں اور باندیوں کی بہتات ہو گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ کچھ عرصہ اپنی باندیوں سے فائدہ اٹھاتے، بچہ ہونے کی صورت میں اسے فروخت کر دیتے لہٰذا وہ باندی کسی ایک شخص کے پاس مستقل نہ رہتی۔ اس طرح بچے کی کفالت کا ذمہ کوئی نہ لیتا۔ یہ ایک سماجی برائی تھی جسے حضرت عمر فاروقؓ نے روکا اور اپنے دور میں ام ولد (باندی) کو فروخت کرنے، تحفہ میں دینے اور میراث میں تقسیم کرنے کی ممانعت فرما دی اور فرمایا کہ جب تک مالک زندہ رہے فائدہ حاصل کرے مالک کے مرنے کے بعد اسے آزاد کر دیا جائے۔[۱۹] اس سلسلے میں مزید فرمایا:

مابال رجال یطئون ولائدهم ثم یدعوهن یخرجن لاتاتینی ولیلدة یعترف سیدها ان قدالم بها الاقدالحقت به ولدها فارسلوهن بعدا وامسکوهن۔[۲۰]

"حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ لوگو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنی کنیزوں سے تمتع کرتے ہو پھر انھیں پھرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہو، آئندہ کوئی کنیز میرے پاس آئی اور اس کے مالک نے اعتراف کیا کہ اس

نے اس سے تمتع کیا ہے تو میں اس کا بچہ اس کے ساتھ کر دوں گا اس لیے تم ان باندیوں کو آزاد کر دو یا اپنے پاس رکھو۔"

۴۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں سب سے اہم مسئلہ مانعین زکوٰۃ کا تھا، دینی اعتبار سے بھی نہایت اہم و حساس اور ریاستی نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لیے بھی ناگزیر ہوا۔ یوں کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد مدینہ کے اطراف کے کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اس صورتحال کے پیش نظر حضرت صدیق اکبرؓ نے ان قبائل کے خلاف جہاد کرنے کا عندیہ دیا کیونکہ خلافت کے لیے دو طرح سے نقصان دہ تھا۔ یعنی زکوٰۃ کے اہم ترین فریضے سے دست برداری اور دوسرا مرکزیت میں انتشار۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے اس فیصلے پر حضرت عمر فاروقؓ کا استدلال یہ تھا:

كيف تقاتل الناس و قد قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله فمن قال لا اله الا الله عصم من ماله و نفسه الا بحقه و حسابه على الله۔ (۲۱)

"آپ ان لوگوں سے کیسے قتال کریں گے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے "لا الہ الا اللہ" کہنے تک قتال کروں جس نے "لا الہ الا اللہ" کہہ دیا اس نے اپنی جان و مال کی حفاظت کر لی، اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے ہاں اگر اس کلمہ کا کوئی حق ہو تو اور بات ہے۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جہاد کا استدلال قرآن کریم کی اس آیت سے لیا۔

فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (۲۲)

"اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔"

اس آیت سے یہ اصول اخذ کیا گیا کہ زکوٰۃ اور نماز دونوں لازم و ملزوم ہیں اگر ان میں سے ایک فرض بھی ساقط ہو گا تو قتال کا حکم باقی رہے گا۔

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس حدیث اور مذکورہ آیت میں بیان کردہ حکم کو سامنے رکھتے ہوئے زکوٰۃ کو نماز پر "قیاس" کرتے ہوئے فرمایا:

والله لا قاتلن من فرق بين الصلوة الزكوة فان الزكوة حق المال (۲۳)

"اللہ کی قسم! اس شخص سے ضرور جہاد کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کی کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔"

امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس اجتہاد سے دو باتیں خاص طور پر واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ علت مشترکہ کی بنیاد پر ایک مسئلے کو دوسرے پر قیاس کیا جانا اور دوسرا قرآن و حدیث سے مسئلے کے استنباط کا اسلوب۔ یہ دونوں باتیں بعد میں اصول فقہ کا موضوع اور شریعت کا منبع قرار پائیں۔

۵۔ حضرت عمر فاروقؓ نے چند دنوں کے لیے کسی غرض خاص مثلاً حج و عمرہ وغیرہ کے لیے باقاعدہ اجازت لے کر

نکلنے کے ماسوا اکابر صحابہ پر مدینے سے نکلنے پر پابندی عائد فرمادی تھی، حالانکہ کسی کی ملکیت یا شخصی آزادی کا حق چھین لینا جائز نہیں۔ لیکن انھوں نے ایسا اس لیے کیا کہ مصلحت عامہ متاثر نہ ہو۔ اس فیصلے میں دو مصالح پوشیدہ تھے۔ ایک یہ کہ حضرت عمر فاروقؓ تمام مسائل میں اکابر صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے۔ اگر اکابر صحابہ مدینہ سے باہر جاکر مقیم ہوگئے تو ان کے قیمتی مشوروں سے استفادہ نہیں کر سکیں گے۔ دوسرا یہ کہ اگر یہ حضرت جزیرۃ العرب سے باہر نکل گئے تو لوگ ان کو اصحاب رسول اللہ ﷺ ہونے کی نسبت سے ہاتھوں ہاتھ لیں گے، زیادہ جائیدادوں کے مالک بن جائیں گے اور اس سے ریاست کا نظم و نسق متاثر ہو گا۔ چنانچہ بعد میں حضرت عمر فاروقؓ کی عمیق بصیرت کا راز افشا ہو گیا۔ جب حضرت عثمان غنیؓ نے یہ پابندی اٹھالی تو اکابر صحابہ بلاد اسلامیہ میں پھیل گئے۔ ہر جگہ ان کی پذیرائی ہوئی۔ اس سلسلے کی دو واضح مثالیں ہیں ایک یہ کہ حضرت زبیرؓ کو بصرہ والوں نے اپنا خلیفہ یا امیر بنادیا اور حضرت طلحہؓ کو کوفہ والوں نے خلیفہ بنالیا۔ ایک اسلامی ریاست میں لوگوں نے کئی کئی امیر بنانا شروع کر دیے۔ اس طرح ریاست میں فتنہ و فساد ایسا پھیلا کہ اس نے ملک کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ [۲۴]

۶۔ حضرت عمر فاروقؓ کے اجتہادات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کے دور خلافت میں مدینہ میں قحط پڑا۔ کھانے کی اشیا ناپید ہو گئیں، لوگ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے چوریاں کرنے لگے۔ اس اضطراری صورتحال کو دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ نے چوری کی سزا ''قطع ید'' کو موقوف کر دیا حالانکہ قرآن کریم نے چور کے لیے قطع ید کی سزا مقرر فرمائی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا [۲۵]

''چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو۔''

حضرت عمر فاروقؓ نے یہ اجتہادی فیصلہ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے کیا۔[۲۶] جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لاتقطع الایدی فی السفر** [۲۷] ''سفر میں چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔''

حضرت عمر فاروقؓ کے اس فیصلے اور ''حد'' کو محدود دونوں تک موقوف کرنے سے یہ اصول سامنے آیا کہ شریعت میں بندوں کے حالات و احوال کی بڑی رعایت دی گئی ہے، لہٰذا کسی بھی فیصلے میں زمانے کے حالات و واقعات کو مد نظر رکھا جائے۔

انھیں آثار کی روشنی میں اصولی قاعدہ ''رفع الحرج'' وضع کیا گیا۔

۷۔ مفقود النجر شوہر کے سلسلے میں یہ اصول تھا کہ اس شخص کے فی الواقع مر جانے کی تحقیق کی جائے یا پھر اس کے ہم عمروں کے انتقال کر جانے کی شرط تھی، اس کے بعد اس عورت کو نکاح ثانی کرنے کی اجازت تھی، ظاہر ہے کہ اس اثناء میں عورت بوڑھی ہو جاتی تھی۔ نکاح کی عمر اس انتظار میں گزر جاتی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس اہم نوعیت کے مسئلے کو اجتہاد کے ذریعہ حل فرمایا۔ آپ نے ان تمام شرائط کو ختم کر کے چار سال تک انتظار کرنے کا حکم دیا۔ چار سال کے بعد

عورت کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ (۲۸)

اس اجتہاد کے ذریعے علمائے اصول نے استصواب کا قاعدہ وضع کیا۔

۸۔ قرآن کریم میں بیوہ عورتوں کی عدت کے سلسلے میں واضح ہدایات موجود ہے جو چار ماہ دس دن ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (۲۹)

"اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار مہینے دس دن تک انتظار کریں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو جلیل القدر صحابی اور فقیہ تھے۔ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے، تو ایک دن آپ کے سامنے ایک عورت کا قضیہ آیا جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا اور اس وقت وہ عورت حاملہ تھی۔ اس کی عدت کا مسئلہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فیصلے میں اس آیت سے استدلال کیا۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (۳۰)

"حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ ان کا حمل وضع ہو جائے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ اس عورت کی عدت چار مہینے دس دن نہیں بلکہ وضع حمل ہے۔ اس فیصلے میں آپ کا استدلال یہ تھا۔

اشهدان سورة النساء الصغرى نزلت بعد سورة النساء الكبرى (۳۱)

"میں گواہی دیتا ہوں کہ چھوٹی سورہ نساء بڑی سورۃ نساء کے بعد نازل ہوئی۔"

اس فیصلہ میں یہ بتادیا کہ بعد میں نازل ہونے والا حکم پہلے حکم کا ناسخ ہوتا ہے یا بعض شرائط کے ساتھ مخصوص۔

مذکورہ مثالوں کے ساتھ کئی مثالیں کتب احادیث، فقہ اور تاریخ میں موجود ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام بھی اپنے اجتہاد میں اصولی منہاج کا التزام کرتے تھے۔ اگرچہ ہر احوال کی صراحت نہیں کی۔

حضور رسالت مآب ﷺ اور آپ سے قریب ترین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عہد مبارک زندگی کے "جواہر" کو نشو نما دینے اور اسلامی فکر کو آگے بڑھانے کا عہد تھا۔ اس بنا پر ان کی زیادہ تر توجہ جہاد اور عمل پر مرکوز تھی، دیگر مسائل پر سوچنے کی فرصت کم تھی۔ ایک صالح اور اجتماعی سادہ زندگی کے جو مسائل و مصالح ہو سکتے تھے بس وہی زیر بحث آئے۔ مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کی وضاحت تک رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات تھیں، تاہم یہ تعلیمات عموماً اور اصولی اور دستوری رنگ میں تھیں۔ جنھیں بنیاد بنا کر قانون کی عمارت کھڑی کی جاسکتی تھی۔ بہت سی جزئیات کی تشریحات ایسی تھیں جو بڑی حد تک حالات و زمانہ کے تقاضوں پر مبنی تھیں۔ کہیں تو ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے نیا حکم نافذ کیا اور اکثر ایسا بھی ہوا کہ جو حکم موجود اور مروج تھا اسی میں ترمیم و اصلاح کر کے اپنالیا۔

صحابہ کرام ورضوان اللہ علیہم اجمعین کا مسائل کے استنباط کا طریقہ گزشتہ امثلہ سے واضح ہو گیا ہے کہ وہ فیصلہ کرتے وقت کس قدر احتیاط کا مظاہرہ کرتے تھے اور ان کے فیصلوں کا منبع و سرچشمہ قرآن و حدیث ہی ہوتے تھے،

اپنی ذاتی رائے کا استعمال بہت کم فرماتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرق استنباط احکام کے متعلق لکھتے ہیں:

وکان نهجهم فی الاستنباط انهم کانوا اذا وردت علیهم الواقعة التمسوا احکمها فی کتاب اللہ، فان لم یجدوا الحکم فیه رجعوا الی النسة، فان لم یجدوه فی السنة اجتهدوا فی ضوء ماعرفوا من مقاصد الشریعة، وماتومئی الیه نصوصها او تشیر، ولم یجدوا اعسرافی الاجتهاد۔ (۳۲)

"صحابہ کرام کے استنباط کا منہاج یہ تھا کہ جب بھی ان کے سامنے کوئی مسئلہ در پیش ہوتا تو اس کا حل کتاب اللہ میں تلاش کرتے۔ اس میں مطلوبہ حکم نہ پاتے تو سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے اور اگر سنت میں بھی نہ پاتے تو مقاصد شریعت کی روشنی میں اجتہاد کرتے جس کی طرف نصوص شرعیہ نے اشارے کر دیے تھے اور انھیں اجتہاد کرتے ہوئے کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔"

اصول فقہ کا با قاعدہ علم اور اس کی ہیئت کذائی بعد کی چیز ہے، سلف اس سے بے نیاز تھے، الفاظ سے استفادۂ معانی کے لیے عربی زبان میں ملکہ حاصل ہونے کی بنا پر کسی اور چیز کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ احکام الٰہی کے استنباط کے لیے جن جن قوانین کی بعد میں ضرورت پیش آئی وہ ان کی گھٹی میں پڑے تھے۔ اسی طرح انھیں اسانید احادیث پر غور و فکر کرنے کی حاجت بھی نہ تھی کیونکہ یہ راویان حدیث سب ہم عصر تھے یا قریب العصر۔ اس لیے ان کے حالات ان کے سامنے آئینے کی طرح روشن تھے، جب سلف کا دور ختم ہوا اور تمام علوم صناعت کے در پہ آئے تو فقہاء اور مجتہدین نے ضروری ضروری قواعد و قوانین کو ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت محسوس کی تا کہ ان کی روشنی میں ادلہ شرعیہ سے احکام مستنبط کیے جا سکیں۔ اب یہ قوانین ایک مستقل علم و فن کی شکل اختیار کر گئے جن کا نام۔ "اصولِ فقہ" قرار دیا۔

حوالہ جات

۱۔ النحل:۴۴
۲۔ المائدہ:۹۲
۳۔ النساء:۸۰
۴۔ النجم:۴۱۳
۵۔ الحشر:۷
۶۔ المائدہ:۱۰۱
۷۔ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الحج، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶ء، ج ۱، ص ۴۳۲
۸۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، مقالات بہاولپور، حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹنگ پریس، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۲۱۔ ۱۲۲

۹۔ غازی، محمود احمد ڈاکٹر، محاضرات فقہ، طبعہ محبوب پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۶

۱۰۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعت، سنن ابی داؤد، مکتبہ امدادیہ، کراچی، ۱۳۱۶ء، ج ۲، ص ۱۴۸

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۹

۱۲۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، مقالات بہاولپور، محوالہ بالہ، ص ۱۲۲

۱۳۔ عباسی متولی، اصول الفقہ، عطیہ دار التالیف، مصر، ۱۹۶۸ء، ص ۱۹

۱۴۔ موسیٰ، محمد یوسف، تاریخ فقہ الاسلامی، دار الکتاب العربی، قاہرہ، ۱۹۵۸ء، ص ۲۵۴

۱۵۔ ابو زہرہ، شیخ محمد، اصول الفقہ، دار الفکر لا عربی، مصر، ۱۹۵۷ء، ص ۱۱

۱۶۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعت سجستانی سنن ابی داؤد، زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور، ج ۳، ص ۴۰۲۔ ابی داؤد فرماتے ہیں کہ عروبہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھجور کی شاخوں اور جوتیوں سے چالیس ضربیں ماریں۔ شعبہ کی روایت کے مطابق دو لکڑیوں سے چالیس ضربیں لگائیں۔

۱۷۔ ابو زہرہ، شیخ محمد، اصول الفقہ، دار الفکر العربی، مصر، ۱۹۵۷ء، ص ۶

۱۸۔ ابو یوسف، امام ابراہیم بن یعقوب، کتاب الخراج، مطبعہ، بولاق، مصر، ۱۳۵۲ء، ص ۲۳ تا ۲۷

۱۹۔ مالک بن انس، امام، موطا امام مالک، میر محمد کتب خانہ، کراچی، ص ۵۴۰۔ **ان عمر بن الخطاب قال ایما ولیدۃ ولدت من سیدھا فانہ لا یبیعھا و لا یھبھا و لا یورث وھو یستمتع منھا فاذا مات فھی حرۃ**

۲۰۔ ایضاً، ص ۶۴۲

۲۱۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، کتاب الایمان، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۸

۲۲۔ التوبہ: ۵

۲۳۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، محولہ بالا

۲۴۔ شلبی، محمد مصطفی، الفقہ الاسلامی اساس التشریع، اہرام التجاریہ، مصر، ۱۳۶۱ھ، ص ۱۴۷، ۱۴۹

۲۵۔ المائدہ: ۳۸

۲۶۔ ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد بن محمد، المغنی، دار المنار، مصر، ۱۳۶۷ھ، ج ۸، ص ۶۸

۲۷۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۲۱۶ھ، ج ۲، ص ۲۵۷

۲۸۔ صدیقی، ڈاکٹر ساجد الرحمن، اسلامی فقہ کے اصول ومبادی، تعمیر ادب پرنٹنگ پریس، لاہور، ص ۳۹

۲۹۔ البقرہ: ۲۳۴

۳۰۔ الطلاق: ۴

۳۱۔ ابو زہرہ، شیخ محمد، اصول الفقہ، محولہ بالا، ص ۱۱

۳۲۔ زیدان، ڈاکٹر عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۷ء، ص ۱۵